© rasailojaraid.com

رحیم بخش شاہین ایم۔اے

قائداعظمؒ کا پاکستان

علم سیاست کی رُو سے قومیّت ایک ایسا جذبہ ہے جس کی تشکیل کے لیے نسلی، لسانی، تاریخی اقتصادی، سیاسی، مذہبی، وطنی اور تمدنی اشتراک ضروری ہے، ان امور میں سے بعض کی عدم موجودگی سے قومیّت کے وجود پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لیکن بعض اہم طاقتور عوامل کا فقدان قومیّت کو باقی نہیں رہنے دیتا۔ مثلاً مذہبی اور تمدنی عوامل کو اگر ایک طرف رکھ دیا جائے تو محض وطنی یا لسانی یا نسلی اشتراک قومیّت کی تعمیر میں کامیاب ثابت نہ ہو سکے گا۔ اس سلسلہ میں قریب کی مثال برصغیر پاک و ہند کی دی جا سکتی ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں متحدہ قومیّت کا وہ تصوّر کبھی وجود میں نہیں آیا۔ جس کا نعرہ عہدِ حاضر میں کانگریس کی طرف سے بلند کیا گیا۔ ہندو معاشرے کی ایک نمایاں خصوصیت اس کی ذات پات کی ناقابلِ تنسیخ تقسیم ہے۔ برہمن، کھشتری، ویش اور شودر کا نسلی اعتبار سے باہم کوئی تعلق نہیں ان میں کچھ ذاتیں ہیں جو ازل سے ابد تک شرف و عظمت کے مقام پر فائز ہیں اور بعض ایسی ہیں جو پیدائشی غلام اور محکوم ہیں۔ ان کے معاشرتی مقام میں تفاوت کے علاوہ اقتصادی مفادات میں بھی بیّن فرق پایا جاتا ہے، حالانکہ بظاہر یہ سب ہندو کہلاتے رہے ہیں اور ایک ہی جغرافیائی وطن میں رہتے رہے ہیں لیکن پھر بھی اس ہم آہنگی سے محروم ہیں جو ایک قومیّت کی تشکیل کے لیے لازمی ہوتی ہیں۔ اس لحاظ سے بھی متحدہ ہندوستانی قومیّت ایک سراب نظر آتا ہے، جہاں تک سیاسی وحدت کا تعلق ہے تو اتنی طویل تاریخ میں یہ سرزمین ہمیشہ متعدد ریاستوں میں تقسیم رہی ہے۔

لہٰذا اس کی سیاسی وحدت کا دعویٰ بھی محض فریب ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب ہندو مذہب کے پیروکاروں کے اندر یہ کیفیت ہے کہ وہ ایک متحدہ قومیت کی تشکیل میں ناکام رہے ہیں تو مسلمان کس طرح اس تصور کو اپنا سکتے ہیں، اور ہندوؤں کے ساتھ مل کر ایک قوم بنا سکتے ہیں۔ مسلمان ایک ایسے دین پر ایمان رکھتے ہیں جو بنیادی طور پر ہندو مذہب کے اصولوں کے خلاف ہے۔ اسلام توحید کا علمبردار ہے، شرک اور بت پرستی کا دشمن ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی اور لائق اتباع قرار دیتا ہے، ذات پات اور دیگر مادی امتیازات کو رد کرکے انسانی اخوت و مساوات پر زور دیتا ہے، ہندوؤں کے اعلیٰ طبقے اسلام کی انقلابی تعلیمات کو کس طرح قبول کرسکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تقریباً ایک سال تک دونوں قوموں کے ایک ساتھ رہنے کے باوجود ان میں وہ ہم آہنگی ناصرف مفقود نظر آتی ہے جو ایک قوم بنانے میں ممد و معاون ثابت ہوسکتی ہے۔ بلکہ بعض مخصوص حالات کی بناء پر دونوں قومیں ایک دوسرے کی دشمن نظر آتی ہیں، روزِ اول سے دونوں قومیں ایک دوسرے سے برسرپیکار نظر آتی ہیں۔ محمد بن قاسم کی آمد سے لے کر مغلیہ سلطنت کے زوال تک ہندوؤں نے مسلمانوں کی حیثیت اور اقتدار کو دل و جان سے قبول نہیں کیا اور سیاسی و سماجی سطح پر مسلمانوں کو کمزور کرکے یا ان کے وجود کو جذب کرنے اور بالآخر تحلیل کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔ لیکن مسلمانوں نے اس کوشش کو ناکام بنا دیا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوؤں معاندانہ سرگرمیوں میں شدت پیدا ہوگئی اور سیاسی مصالح کی بناء پر انگریز حکمرانوں نے بھی ان کی پوری پوری پشت پناہی کی۔ ہندوؤں کی یہ یلغار اتنی زبردست تھی کہ آج اس کی شدت کا صحیح طور پر اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ ہندوؤں کی اس یلغار ہی کا ردعمل تھا جس کی مدافعت میں مسلمانوں نے مسلم لیگ قائم کی۔

مسلم لیگ کا وجود دراصل اس امر کا اعلان تھا کہ کانگریس جس متحدہ قومیت کے تصور کو اپنائے ہوئے ہے وہ ریت کا ایک گھروندا ہے۔ ۱۹۰۶ء کے بعد مسلمانوں نے اپنے جداگانہ وجود کو ہندو قومیت میں تحلیل ہونے سے روکنے کی جدوجہد کا آغاز کیا۔ انہوں نے واضح کردیا کہ کوئی ایسا دستور انہیں قبول نہ ہوگا۔ جس میں ان کے مذہبی تشخص اور جداگانہ وجود کے تحفظ کی ضمانت نہ دی گئی ہو۔ جب ہندو قیادت نے دیکھا کہ مسلمان اپنے قومی وجود سے آشنا ہورہے ہیں اور بخود آگہی ان کی منتشر صفوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یں ترتیب و تنظیم پیدا کرنے کا باعث بن رہی ہے تو انہوں نے ایک طرف تو متحدہ قومیت کا نعرہ زور و شور سے لگانا شروع کر دیا اور دوسری طرف ایسے منصوبے بنانے شروع کر دیئے جن پر مکمل طور پر عمل درآمد کرنے سے مسلمانوں کی جداگانہ ہستی حرفِ غلط کی طرح مٹ جاتی۔ شدھی کی تحریک مسلم رابطہ مہم، وارد ھا تعلیمی سکیم، ودیا مندر سکیم اور بندے ماترم وغیرہ اسی نئی واردات کے شاخسانے تھے۔ یہ واردات اتنی مؤثر اور مہلک تھی کہ اگر مسلم قیادت بروقت اس کا تدارک نہ کرتی تو برصغیر کے مسلمان صفحۂ ہستی سے ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو جاتے۔ اس موقع پر جن رہنماؤں نے مسلمانوں کی عملی رہنمائی کی اور انہیں تاریخ کے اس ہلاکت آمیز موڑ سے بچایا۔ ان میں قائداعظم محمد علی جناح خاص طور پر لائق ذکر ہیں۔ قائداعظمؒ نے ایک ایسے وقت میں کشتی ملت کی ناخدائی کی جب وہ سیاست کے بحرِ مواج میں مخالفت کی آندھیوں کے زبردست تھپیڑوں کی زد میں آ کر ڈانواں ڈول ہو رہی تھی۔

قائداعظمؒ شروع شروع میں ایک نڈر محبِ وطن رہنما کی حیثیت سے افق سیاست پر نمودار ہوئے۔ اس زمانے میں وہ چاہتے تھے کہ ہندوستان عروس آزادی سے ہمکنار ہو اور اس مقصد کے لیے ہندوستان کی تمام اقوام مل جل کر جدوجہد کریں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مسلم لیگ میں شمولیت پسند نہ کی۔ اور بدستور کانگریس کے پلیٹ فارم سے نعرۂ آزادی بلند کرتے رہے۔ پھر ایک مرحلہ ایسا آیا کہ انہوں نے اس مقصد کے لیے مسلم لیگ میں شرکت کی کہ کسی نہ کسی طرح ہندو مسلم مصالحت ہو جائے تاکہ برصغیر انگریزی استبداد کے بے رحم پنجے سے رہائی حاصل کر سکے۔ اسی مقصد کے لیے انہوں نے ۱۹۱۶ء میں میثاق لکھنؤ کی طرح ڈالی۔ لیکن زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ ان پر یہ حقیقت ہو گئی کہ ہندو قیادت مسلم حقوق و مفادات کے تحفظ کی یقین دہانی کرانے سے فرار اختیار کر رہی ہے اور اس مقصد کے لیے وہ نت نئے بہانوں کی تلاش میں رہتی ہے۔ اس لئے آپ نے کانگریس سے قطع تعلق کر لیا اور مسلم لیگ کے زیر سایہ مسلم حقوق کے تحفظ کے لئے آمادۂ عمل ہو گئے۔

کانگریس کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ برصغیر ایک ملک ہے، اس میں رہنے والے ایک قوم ہیں، ان کی ایک نمائندہ جماعت ہے جس کا نام کانگریس ہے، جو انگریزوں کے انخلا کے بعد مغربی طرز کی لادینی جمہوری ریاست قائم کرے گی، جس کا کوئی مذہب نہیں ہوگا۔ اور جس کے فیصلے اکثریت سے ہوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گے، اور جو ایک متحدہ ہندوستانی قومیت کے فروغ کے لئے کوشش کرے گی۔ جبکہ مسلم لیگ اُن میں سے ایک دعوے کو ماننے کے لئے بھی تیار نہیں تھی، اس کے نزدیک "برصغیر ایک ملک نہیں ملکوں کا مجموعہ ہے، اس کے باشندے ایک قوم نہیں متعدد قوموں کا مجموعہ ہیں، جن میں ہندو اور مسلمان قومیں اکثریت کی مالک ہیں، ہندوؤں کی نمائندہ جماعت کانگریس اور مسلمانوں کی مسلم لیگ ہے، انگریزوں کے انخلاء سے پیشتر ہندو مسلم تصفیہ ضروری ہے، مسلمان کسی ایسی حکومت کو قبول نہیں کریں گے جس میں محض اکثریت کی بنا پر فیصلے کئے جائیں اور کسی قوم کے مذہبی تشخص کو پیش نظر نہ رکھا جائے وہ کسی ایسی تحریک کا ساتھ نہیں دیں گے۔ جس کے پیش نظر مسلم قومیت کا خاتمہ ہو۔ مسلم لیگ اور مسلمانوں کا یہی وہ انداز فکر تھا جس نے بعد ازاں ۱۹۴۰ء کے لگ بھگ مطالبۂ پاکستان کا نام پایا۔ اب مسلمان محض حقوق کے لئے دستوری تحفظات کے طلبگار نہیں تھے بلکہ وہ ایک ایسے خطۂ زمین کے خواہاں تھے جہاں وہ اپنی آرزوں کی آزادانہ صورت گری کرسکیں۔ بالآخر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو دنیا کی سب سے بڑی مسلم مملکت دنیا کے نقشے پر پوری آب و تاب کے ساتھ نمودار ہوگئی۔

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ تحریک پاکستان کے محرکات میں معاشی اور سیاسی مسائل کو اہمیت حاصل تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ معاشی میدان میں ہندو اور مسلمان اقوام میں بعد المشرقین تھا، ہندو اپنی ساہوکاری اور کاروباری ذہنیت کی بنا پر ملک بھر کی تجارت پر چھائے ہوئے تھے، تعلیمی لحاظ سے ترقی یافتہ ہونے کی بنا پر سرکاری ملازمتوں پر بھی ان کا ہی غلبہ تھا۔ اور یہ لوگ بڑے منظم طریقے سے مسلمانوں کو معاشی لحاظ سے بے دست و پا بنانے کی فکر میں تھے۔ اسی طرح ہندوستان میں اکثریت میں ہونے کی وجہ سے مجوزہ جمہوری حکومت کے در و بام پر بھی وہی مسلط ہو جاتے۔ اس کے مقابلے میں مسلمان تجارتی، تعلیمی لحاظ سے پسماندہ تھے اور ہندوؤں کے مقابلے میں ان کی تعداد بھی کم تھی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آخر ہندو کس بنا پر مسلمانوں کو سیاسی و معاشی لحاظ سے تباہ کرنا چاہتے تھے؟ اس کا صرف ایک ہی جواب ہے کہ وہ اسلام کے وجود کو ہندوستان کی سرزمین پر برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے تھے۔

... کے ... عام فہم اور قابل عمل اصول ہندو مت کے گورکھ دھندے اور ...

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

از کار رفتہ ظالمانہ سماج کے لئے ایک مستقل چیلنج کی حیثیت رکھتے تھے۔ گویا معاشی اور سیاسی اختلافات دراصل سطحی ہیں۔ جو مذہبی اور نظریاتی اختلاف کا نتیجہ ہیں۔ ہندوؤں کا مقصد مسلمانوں کو محض معاشی یا سیاسی لحاظ سے مفلوج کرنا نہیں تھا بلکہ مذہبی لحاظ سے ان کے وجود کو ہمیشہ کے لئے تحلیل کرنا تھا اور وہی عمل دہرانا تھا۔ جس کی مدد سے ہندوؤں نے مسلمانوں سے پہلے یہاں آنے والے غیر ملکی حملہ آوروں اور مقامی آبادی کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا۔ لیکن اس مرتبہ ہندوؤں کو ایک ایسے نظام زندگی سے دوچار ہونا پڑا تھا جو دنیا کے تمام نظاموں سے بالاتر ہے۔ جو ہر اعتبار سے کامل ہے، جو دورِ جدید کے حقائق و مسائل پر پوری جامعیت سے حاوی ہے جو دوسرے مذہبوں اور تہذیبوں کو اپنے اندر جذب تو کر سکتا ہے لیکن ان میں جذب ہو کر اپنے وجود سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔ یہ کوئی قومی، وطنی یا نسلی مذہب نہیں ہے بلکہ یہ جملہ مادی امتیازات سے ماوریٰ تمام نوعِ انسان کی ہدایت و رہنمائی کا داعی ہے۔ اس لئے جو شخص اس کا حلقہ بگوش ہو جاتا ہے خواہ وہ کسی خطۂ ارض سے تعلق رکھتا ہو، کوئی زبان بولتا ہو، کسی نسل سے ہو، وہ ایک نئی قوم یا ملت کا فرد بن جاتا ہے۔ جب برصغیر میں پہلا مسلمان وارد ہوا تو اپنے ساتھ یہی انقلابی اصول لے کر آیا اور جب پہلا ہندو مسلمان ہوا تو اس کی ذات میں یہی انقلاب برپا ہوا۔ ایک آزاد مسلم مملکت کے قیام کا مطالبہ یا پاکستان کے حصول کی جدوجہد اسی انقلاب کا منطقی نتیجہ ہے۔

یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف قائد اعظم محمد علی جناح نے ان لفظوں میں اشارہ کیا تھا:-

" پاکستان اسی دن وجود میں آ گیا تھا جب ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب یہاں مسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمۂ توحید ہے، وطن نہیں اور نہ ہی نسل، ہندوستان کا جب پہلا فرد مسلمان ہوا تو وہ پہلی قوم کا فرد نہیں رہا۔ وہ ایک دوسری قوم کا فرد بن گیا۔ ہندوستان میں ایک نئی قوم وجود میں آ گئی۔"

——— (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ۸ مارچ ۱۹۴۴ء)

اسی تقریر میں آگے چل کر آپ نے فرمایا:-

"جہاں تک کسی مسلمان کا تعلق ہے اسلام نے اس پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ وہ اپنے تشخص اور انفرادیت کو کسی مخالف معاشرے میں مدغم نہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طویل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مدت تک ساتھ رہنے کے باوجود ہندو ہندو رہے اور مسلمان مسلمان۔ دونوں قومیں ایک دوسرے میں مدغم نہیں ہوئیں۔ اپنے وجود کے تحفظ کی اسی خواہش کا نام پاکستان ہے۔"

قائداعظم محمد علی جناحؒ کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی اس خواہش سے آگاہ ہو کر اس کی تکمیل کا سامان کیا۔ آپ نے ایک نئے عزم کے ساتھ ۱۹۳۶ء میں اس وقت مسلم لیگ کا علم تھاما جب ۱۹۳۵ء کے قانون کے تحت ۱۹۳۷ء میں انتخابات منعقد ہونے والے تھے۔ آپ نے ایک طرف مسلمانوں کو ان کی قومی ہستی کے شعور سے مالا مال کرنے کی کوشش کی اور دوسری طرف مسلم لیگ کو ایک نمائندہ، مضبوط اور مستحکم و منظم مسلم جماعت بنانے کی جدوجہد کی۔ ان انتخابات میں اگرچہ مسلم لیگ کو زیادہ نشستیں نہیں ملیں۔ لیکن جب کانگریس نے کامیابی کے نشے میں چور ہو کر مسلم دشمن رویّہ اختیار کیا تو مسلمانوں نے مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو کر اپنے ملّی وجود کے تحفظ کی جدوجہد زیادہ جوش و خروش اور منظم طریقے سے شروع کردی۔ قائداعظمؒ نے اس صورتِ حال کی عکاسی کرتے ہوئے فرمایا:۔

"مسلمان اس قوم کی مانند تھے جو اپنا اخلاقی، ثقافتی اور سیاسی شعور کھو چکی ہو۔ ابھی آپ نے اخلاقی، ثقافتی اور سیاسی شعور کا وہ پچھلا سا معیار حاصل نہیں کیا ہے ابھی تو آپ بیدار ہوئے ہیں اور آپ کے سیاسی شعور میں حرکت پیدا ہوئی ہے۔ کانگریس کا دعویٰ غلط ہو یا صحیح، اس سے قطع نظر آپ دیکھتے ہیں کہ ہندوؤں نے اخلاقی، ثقافتی اور سیاسی شعور کے ضروری اوصاف پیدا کر لئے ہیں اور ان اوصاف نے ہندوؤں کے قومی احساس کی صورت اختیار کر لی ہے۔ یہی طاقت ان کے پس پشت کارفرما ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ مسلمان بھی یہ طاقت پیدا کر لیں۔ جب آپ یہ طاقت پیدا کر لیں گے تو جس چیز کے حصول کا ارادہ کریں گے، وہ حاصل ہو جائے گی۔ سروں کا گننا (رائے شماری) اچھی بات سہی۔ لیکن گنتی قوموں کی تقدیر کا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ ابھی آپ کو قومیت اور قومی انفرادیت پیدا کرنی ہے۔ یہ بڑا کام ہے، اور ابھی آپ نے اسے شروع ہی کیا ہے تاہم مجھے کامیابی کی قوی اُمید ہے جو ترقی ہو چکی ہے وہ معجزے سے کم نہیں مجھے خواب میں بھی یہ خیال نہ تھا کہ ہم ایسا حیرت انگیز مظاہرہ

© rasajlojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر سکیں گے۔ جو آج سامنے ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہنوز کام کا آغاز ہے۔"

—————— (اجلاس مسلم لیگ، پٹنہ۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۳۸ء)

ہندوؤں کو اس امر پر ناز تھا کہ وہ تعلیمی اور معاشی طور پر برصغیر کی تمام قوموں سے بلند ہونے کی وجہ سے زیادہ سیاسی شعور کے مالک ہیں۔ لیکن مسلمانوں نے باوجود پسماندہ ہونے کے جس طرح کانگریسی عزائم کے خلاف اپنے جداگانہ وجود کے تحفظ کے لئے جدوجہد کی۔ وہ ان کے بہتر سیاسی شعور کی علامت تھا۔ اسی لیے قائداعظمؒ نے فرمایا:۔

"تمام دشواریوں کے باوجود مجھے یقین ہے کہ مسلمان کسی دوسرے گروہ کی نسبت بہتر سیاسی دماغ رکھتے ہیں۔ سیاسی شعور مسلمانوں کے خون میں ملا ہوا ہے اور ان کی رگوں اور شریانوں میں دوڑ رہا ہے اور اسلام کی باقی ماندہ عظمت ان کے دلوں میں دھڑک رہی ہے۔"

—————— (عریبک کالج، دہلی۔ ۱۹۳۹ء)

دراصل قائداعظمؒ کو یقین تھا کہ مسلمانوں کی ایک امتیازی خصوصیت ان کا اسلامی تہذیب و ثقافت سے تعلق ہے، جو دنیا کی جدید ترین اور جامع ترین تہذیب و ثقافت ہے، اس نے ماضی میں بھی شاندار کارنامے سرانجام دیئے تھے اور عہد حاضر میں بھی مسلمانوں کی ترقی و عروج کی ضامن ہے، ہندوؤں نے پہلے بھی اس کو ختم کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے اور اب پھر وہ اس کو مٹانے پر تلے ہوئے ہیں۔ لیکن وہ ناکام رہیں گے۔

"تمہاری تعداد سب سے زیادہ ہوا کرے۔ تم ترقی یافتہ اور تمہاری اقتصادیات مستحکم سہی اور تم سمجھا کرو کہ سروں کی گنتی ہی آخری فیصلہ ہے۔ لیکن میں تمہیں بتائے دیتا ہوں، تم دونوں کو کہ تم تنہا یا تم دونوں متحد ہو کر بھی، ہماری روح کو فنا کرنے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکو گے، تم اس تہذیب کو کبھی مٹا نہ سکو گے، اس اسلامی تہذیب کو جو ہمیں ورثے میں ملی ہے، ہمارا نور ایمان زندہ ہے، ہمیشہ زندہ رہا ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا، بے شک تم ہمیں مغلوب کرو، ہم پر ظلم و ستم کرو، ہمارے ساتھ بدترین سلوک روا رکھو، لیکن ہم ایک نتیجے پہ پہنچ چکے ہیں اور ہم نے یہ سنگین فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر مرنا ہی ہے تو لڑتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لڑتے مرجائیں گے۔"

(مرکزی اسمبلی، ۲۲ر مارچ - ۱۹۳۹ء)

مسلمان ایک خدا کے سوا کسی کے سامنے سر نہیں جھکاتا، دنیا کی کوئی قوت اس کو مرعوب نہیں کرسکتی اور نہ زیادہ مدت تک محکوم بنا سکتی ہے، مسلمان آزادی کے لیے پیدا ہوا ہے اور آزاد رہے گا۔ قائداعظم نے واضح کیا کہ اگر ہندو اور انگریز مل کر بھی مسلمانوں کو مغلوب کرنے کی کوشش کریں گے تو منہ کی کھائیں گے۔

"دولتِ برطانیہ ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتی ہے، اور گاندھی جی مسلم ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم دونوں کو اپنے اوپر حکومت نہ کرنے دیں گے

۱۹۴۱ء میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی رہنمائی کے لیے قائداعظمؒ لاہور میں تشریف لائے تو جمعہ کا روز تھا۔ سٹیشن پر ہم سب لوگوں نے ان کا استقبال کیا، اور ریلوے سٹیشن کے قریب آسٹریلیا بلڈنگ سے ملحقہ مسجد میں جمعہ کی نماز کے لیے سب لوگ روانہ ہوئے۔....... قائداعظمؒ کو مرزا عبدالحمید جو امام تھے۔ انہوں نے اور دوسرے تمام لوگوں نے صفِ اوّل میں نماز ادا کرنے کے لیے کہا۔ لیکن قائداعظمؒ نے انکار کر دیا اور سب سے پچھلی صف میں جہاں لوگوں کے پاپوشش پڑے ہوتے ہیں۔ وہاں بیٹھ کر قائداعظمؒ نے جمعۃ المبارک کی نماز ادا کی اور ادائیگی نماز کے بعد مسجد سے ننگے پاؤں جوتا ہاتھ میں پکڑے سڑک میں کھڑی ہوئی کار تک آئے اور کار کے پاس پہنچ کر جوتا پہنا۔....... لوگوں نے اس اثنا میں بہت کوشش کی کہ ان کا جوتا پکڑ لیں۔ لیکن انہوں نے ڈانٹ دیا اور کہا کہ میں بھی آپ کی طرح ایک آدمی ہوں۔ آپ کی عزتِ نفس بھی وہی ہی ہے، جیسی میری اس لیے اس کی حفاظت کرو۔

(ڈاکٹر ضیاء السلام)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خواہ دونوں متحد ہو کر یا تنہا کوشش کر دیکھیں۔"

(اسلامیہ کالج، دہلی، ۱۹۳۹ء) ـــــــــــــــ

اسلامی ثقافت کی عمارت جن بنیادوں پر استوار ہوتی ہے وہ خدا کی کتاب، قرآن مجید میں درج ہیں، اس پر کاربند رہ کر مسلمان ہمیشہ متحد رہیں گے۔ وہ کوئی ایسا اتحاد قبول نہ کریں گے جو ان اصولوں سے ہٹ کر خواہ وہ وطنی اتحاد ہو یا لسانی اشتراک، قائداعظمؒ نے قرآن کی عظمت بیان کرتے ہوئے کہا:

"وہ کونسا رشتہ ہے جس میں منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسدِ واحد کی طرح ہیں۔ وہ کونسی چٹان ہے جس پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے وہ کونسا لنگر ہے جس سے اُمت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے؟ وہ رشتہ، وہ چٹان، وہ لنگر خدا کی کتاب قرآن حکیم ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے، ہم میں زیادہ سے زیادہ اتحاد پیدا ہوتا جائے گا۔ ایک خدا، ایک رسولؐ، ایک کتاب، ایک اُمت۔"

(اجلاس مسلم لیگ، کراچی، ۱۹۴۳ء) ـــــــــــــــ

یہ کتاب ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مسلمان ایک طرف قرآن پر ایمان بھی رکھیں اور دوسری طرف وہ اپنی زندگی کا کوئی شعبہ کسی انسانی فلسفہ کی بنیاد پر استوار کریں۔ قرآن نہ صرف اُن کی انفرادی زندگی کی رہنمائی کرتا ہے بلکہ اُن کی اجتماعی زندگی کی رہبری بھی کرتا ہے۔ اس لیے وہ کوئی ایسا نظریہ، نظام یا طریقہ قبول نہیں کر سکتے جو انہیں قرآنی اصولوں سے بے نیاز کرنے کی کوشش کرے۔

ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی احکام مذہبی اور اخلاقی فرائض تک محدود نہیں جیسا کہ گبن نے کہا تھا۔" اوقیانوس سے گنگا تک قرآن کو دینیات ہی نہیں بلکہ شہری (سول) اور تعزیری قوانین کی بھی بنیاد سمجھا جاتا ہے اور وہ قوانین جن سے بنی نوع انسان کے اعمال اور حقوق کی حد بندی ہوتی ہے۔ وہ بھی خدا کے غیر متبدل احکام سے متعین ہوتے ہیں۔ جاہلوں کی بات الگ ہے ورنہ ہر کوئی جانتا ہے کہ قرآن مسلمانوں کا ہمہ گیر ضابطۂ حیات ہے، مذہبی، سماجی، شہری، کاروباری، فوجی، عدالتی، تعزیری اور قانونی ضابطۂ حیات۔ جو مذہبی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقریبات سے لے کر روزمرہ زندگی کے معاملات تک، روح کی نجات سے لے کر جسم کی صحت تک، تمام افراد سے لے کر ایک فرد کے حقوق تک، اخلاق سے لے کر جُرم تک، اس دنیا میں جزا و سزا سے لے کر اگلے جہاں کی سزا و جزا تک کی حد بندی کرتا ہے۔"

——— (پیامِ عید، ۱۹۴۵ء)

پھر عداوتوں اور مخالفتوں کے طوفانوں میں جو چیز مسلمانوں کو ثابت قدم رکھتی ہے وہ قرآن مجید ہے۔ خدا کی یہ آخری کتاب ہدایت مسلمانوں کے لیے قوت و توانائی کا لازوال خزینہ ہے، قائداعظمؒ کو یقین تھا کہ مسلمان اگر اس کے اصولوں کو اپنا لیں تو وہ موجودہ سیاسی جنگ میں بھی اس طرح سرخرو ہوں گے جس طرح ماضی میں وہ اپنے سے کئی گنا بڑی طاقتوں کے مقابلے میں ہوتے رہے ہیں:-

"اس وقت میدان سیاست میں ہندو مسلمانوں کی جنگ ہو رہی ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کون منتخب ہوگا، علم غیب خدا کو ہے۔ لیکن میں ایک مسلمان کی حیثیت سے علی الاعلان کہتا ہوں کہ اگر ہم قرآن مجید کو اپنا آخری اور قطعی رہبر بنا کر شیوۂ صبر و رضا پر کاربند ہوں اور اس ارشاد خداوندی کو کبھی فراموش نہ کریں کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں تو ہمیں دنیا کی کوئی طاقت یا کئی طاقتیں مل کر بھی مغلوب نہیں کر سکتیں۔ ہم تعداد میں کم ہونے کے باوجود فتح یاب ہوں گے۔ جس طرح مٹھی بھر مسلمانوں نے ایران و روم کی سلطنتوں کے تختے الٹ دیئے تھے۔"

——— (جلسۂ عام حیدرآباد دکن، ۱۱ر جولائی ۱۹۴۶ء)

قرآن خدا کی آخری الہامی کتاب ہے جو ہر قسم کی تبدیلی و تحریف سے پاک ہے، اس کے اصول ہمہ گیر اور لازوال ہیں، جب تک کوئی جماعت اور گروہ انسانی اس کتاب کو رہنمائے حیات قرار دیتا ہے اس وقت تک وہ اپنے جداگانہ وجود سے دستبردار ہونے پر آمادہ نہیں ہو سکتا، برصغیر میں آنے کے بعد مسلمانوں کو اجتماعی طور پر ایسے حادثوں سے دوچار ہونا پڑا۔ جو ان کے ملّی وجود کے لیے تباہ کن تھے اور اگر کوئی دوسری قوم ہوتی تو وہ مٹ چکی ہوتی یا ہندو قوم میں اچھوت بن کر مدغم ہو گئی ہوتی۔ لیکن مسلمانوں نے ہمیشہ اپنی جداگانہ حیثیت کو برقرار رکھا۔ ایک ہزار سال تک ساتھ ساتھ رہنے کے باوجود دونوں قومیں ہر لحاظ سے الگ تھلگ نظر آتی ہیں۔ دونوں قوموں میں پائے جانے والے واضح فرق کی وضاحت کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے فرمایا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

”اسلام اور ہندو دھرم محض مذاہب نہیں ہیں بلکہ درحقیقت وہ دو مختلف معاشرتی نظام ہیں، چنانچہ اس خواہش کو خواب وخیال ہی کہنا چاہیئے کہ ہندو اور مسلمان مل کر ایک مشترکہ قومیت تخلیق کر سکیں گے۔ یہ لوگ آپس میں شادی بیاہ نہیں کرتے نہ ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں۔ میں واشگاف لفظوں میں کہتا ہوں کہ وہ دو مختلف تہذیبوں سے واسطہ رکھتے ہیں۔ اور ان تہذیبوں کی بنیاد ایسے تصورات اور حقائق پر رکھی گئی ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں بلکہ اکثر متصادم ہوتے رہتے ہیں۔ انسانی زندگی کے متعلق ہندوؤں اور مسلمانوں کے خیالات اور تصورات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ ہندو اور مسلمان اپنی اپنی ترقی کی تمناؤں کے لیے مختلف تاریخوں سے نسبت رکھتے ہیں۔ ان کے تاریخی وسائل اور ماخذ مختلف ہیں۔ ان کی رزمیہ نظمیں، ان کے سربرآوردہ بزرگ اور قابلِ فخر تاریخی کارنامے سب مختلف اور الگ الگ ہیں۔ اکثر اوقات ایک قوم کا زعیم اور رہنما دوسری قوم کے بزرگ اور برتر ہستیوں کا دشمن ثابت ہوتا ہے، ایک قوم کی فتح دوسری قوم کی شکست ہوتی ہے۔ ایسی دو قوموں کو ایک ریاست اور ایک حکومت کی ایک مشترکہ گاڑی کے دو بیل بنانے اور ان کو باہمی تعاون کے ساتھ قدم بڑھانے پر آمادہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں کے دلوں میں بے صبری روز بروز بڑھتی رہے گی۔ جو انجام کار تباہی لائے گی۔ خاص کر اس صورت میں کہ ان میں سے ایک قوم تعداد کے لحاظ سے اقلیت میں ہو اور دوسری کو اکثریت حاصل ہو، ایسی ریاست کے آئین کا عمل خاک میں مل کر رہے گا۔“

(اجلاس مسلم لیگ لاہور، ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء)

دونوں قوموں میں پائے جانے والے اس واضح فرق کے باوجود کانگریس کا موقف یہ تھا کہ ہندوستان میں قوم صرف ایک ہے اور وہ ہے ہندوستانی، اس قوم کے مختلف فرقے ہیں۔ جن میں مسلمان ایک اقلیتی فرقہ ہے، اس طرح یہ جماعت نو دس کروڑ مسلمانوں کو فرقہ قرار دے کر لقمہ تر بنانا چاہتی تھی۔ قائداعظمؒ نے واضح کیا کہ یہ فرقوں کا مسئلہ نہیں بلکہ قوموں کا مسئلہ ہے۔

”حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے قومی تصور اور ہندو دھرم کے سماجی طور طریقوں کے باہمی اختلاف کو محض وہم و گمان بتانا ہندوستان کی تاریخ کو جھٹلانا ہے [illegible] سال سے ہندوؤں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تہذیب اور مسلمانوں کی تہذیب ایک دوسری سے دوچار ہیں اور دونوں قومیں آپس میں میل جول رکھتی چلی آئی ہیں۔ مگر ان کے اختلافات اسی پرانی شدت سے موجود ہیں۔ ان کے متعلق یہ توقع رکھنا کہ ان میں محض اس وجہ سے انقلاب آجائے گا اور ہندو اور مسلمان ایک قوم واحد بن جائیں گے کہ ان پر ایک جمہوری آئین کا دباؤ ڈالا گیا، سراسر غلطی ہے۔ جب ہندوستان میں ڈیڑھ سو سال سے قائم شدہ برطانوی وحدانی حکومت اس کام میں کامیاب نہ ہوسکی تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہندوستان کی مرکزی حکومت میں فیڈرل نظام کے جبری قیام سے وہ کامیابی حاصل ہوجائے گی۔ ہندوستان کا سیاسی مسئلہ فرقوں سے متعلق نہیں، بلکہ قوموں سے متعلق ہے۔ بلاشبہ اسے ایک بین الاقوامی مسئلہ قرار دینا چاہیئے۔ اور اسی نقطہ نظر سے اس کا حل تلاش کرنا لازم ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم اس بنیادی امر واقعہ کی صحت تسلیم کریں جب تک ہم اسے درست نہ مانیں گے، ہمارا وضع کردہ آئین ناکام رہے گا اور تباہی لائے گا۔"

(اجلاس مسلم لیگ، لاہور، ۲۲ مارچ ۱۹۴۰ء)

آپ نے فرمایا کہ مسلمان دوسری اقلیتوں کی طرح نہیں ہیں، یہ ہندوؤں کے بعد دوسری بڑی قوم ہیں۔ اور اقلیت کے درجے پر قانع نہیں ہوسکتے۔

"انہوں نے سمجھا کہ مسلمان محض ایک اقلیت ہیں جن پر ہندو اکثریت کو حکومت کرنا چاہیئے۔ اور مسلمان ایک جھوٹے، احساس سلامتی میں مسلسل مبتلائے فریب رہے اور اقلیت کی اصطلاح کو تاریخی، آئینی اور قانونی سمجھا جانے لگا۔ لیکن مسلمان کسی حیثیت سے بھی یورپی ممالک کی اقلیتوں کی طرح اقلیت نہیں۔ ایک چیز ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم کسی طرح اقلیت نہیں ہیں بلکہ ہم اپنے نصب العین کے ساتھ، بجائے خود ایک علیحدہ اور ممتاز قوم ہیں۔"

(مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ۶ مارچ ۱۹۴۰ء)

مسلمانوں کی کثیر تعداد ہی اس حقیقت کی شاہد نہیں، بلکہ ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ مسلمان برصغیر کے ایک وسیع رقبے پر اکثریت بھی رکھتے ہیں۔ لہٰذا کانگریسی موقف سراسر بے بنیاد ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

"اقلیت کا لفظ اتنی مدت تک استعمال کیا گیا ہے کہ اس کے اثرات زائل کرنا بعض اوقات مشکل ہو جاتا ہے مسلمان اقلیت میں نہیں ہیں ہر اعتبار سے مسلمان ایک قوم ہیں، برطانیہ اور کانگریس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی طرف سے یوں کہا جا رہا ہے "بہرحال آپ اقلیت ہیں، آپ کیا چاہتے ہیں؟" اور جیسا کہ بابورلجندر پرشاد نے فرمایا: "اقلیتیں اور کیا چاہتی ہیں؟" میں اعلان کرتا ہوں، یقیناً مسلمان اقلیت نہیں ہیں۔ ہندوستان کے نقشے پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ اس ملک کے وسیع علاقے مسلمانوں کے قبضے میں ہیں۔ جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ مثلاً بنگال، پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان۔"

——————— (اجلاس مسلم لیگ، لاہور۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء)

ایک منفرد قوم ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کا حق ہے کہ وہ اپنے اصولوں کے مطابق بلاشرکت غیرے اپنی اجتماعی زندگی کی تعمیر کریں، قائداعظمؒ نے اس پہلو پر زور دیتے ہوئے فرمایا:۔

"قومیت کی تعریف چاہے جس طرح کی جائے، مسلمان اس کی رُو سے ایک الگ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس لیے اس بات کے مستحق ہیں کہ ملک میں ان کی اپنی الگ مملکت اور اپنی جداگانہ خود مختار ریاست ہو۔ ہم مسلمان چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے اندر ہم ایک آزاد قوم بن کر اپنے ہمسایوں کے ساتھ ہم آہنگی اور امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ ہماری تمنا ہے کہ ہماری قوم اپنی روحانی، اخلاقی، تمدنی، اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی زندگی کو کامل ترین نشو و نما بخشے اور اس کام کے لیے وہ طریق عمل اختیار کرے جو اُس کے نزدیک بہترین ہو اور ہمارے عطیات قدرتی، ہمارے نصب العین سے ہم آہنگ ہوں۔"

——————— اجلاس مسلم لیگ لاہور، ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء

جداگانہ مسلم قومیت سے انکار ایک ٹھوس حقیقت کا انکار ہے، قائداعظم نے اعلان کیا:۔

"ہم مسلمان اپنی تابندہ تہذیب و تمدن کے لحاظ سے ایک قوم ہیں، زبان، ادب، فنون لطیفہ، فن تعمیر، نام و نسب، شعور و اقدار و تناسب، قانون و اخلاق، رسم و رواج، تاریخ و روایات اور رجحان و مقاصد ہر ایک لحاظ سے ہمارا اپنا انفرادی زاویۂ نگاہ اور فلسفۂ حیات ہے۔ بین الاقوامی قانون کی ہر تعریف ہماری قومیت کو سلامی دینے کے لیے تیار ہے۔"

——————— (ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کو بیان، یکم جولائی ۱۹۴۲ء)

کانگریس نعرہ تو لگاتی تھی جمہوریت کا لیکن وہ مسلم قومیت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ دراصل ہندو مذہب کی تعلیمات کسی طرح جمہوری نظام سے ہم آہنگ نہیں۔ جمہوریت کو اس کی روح کے ساتھ نافذ کرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا مطلب ہے۔ ہندو مذہب کی موت، جمہوریت، مساوی انسانی حقوق کی حامی ہے جبکہ ہندو مت میں انسانی حقوق صرف اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے لیے مخصوص ہیں۔ اس کے برعکس اسلام اپنی روح کے اعتبار سے ایک جمہوری مذہب ہے۔ قائداعظمؒ نے اسلام کی اس صفت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"چھوت چھات صرف ہندو مذہب اور فلسفے میں جائز ہے۔ ہمارے ہاں ایسی کوئی بات نہیں اسلام انصاف، مساوات، معقولیت اور رواداری کا حامل ہے بلکہ جو غیر مسلم ہماری حفاظت میں آجائیں۔ ان کے ساتھ فیاضی کو بھی روا رکھتا ہے۔ یہ لوگ ہمارے بھائی ہیں۔ اور اس ریاست میں وہ شہریوں کی طرح رہیں گے۔"

———— (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ۲ نومبر ۱۹۴۰ء)

ایک دوسرے موقع پر آپ نے تشریح کی :۔

"اسلامی تعلیمات کی درخشندہ روایات و ادبیات کس امر پر شاہد ہیں۔ دنیا کی کوئی قوم جمہوریت میں مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی جو اپنے مذہب میں بھی جمہوری نقطہ نظر رکھتے ہیں"

لیکن مسلمان ایسے کسی جمہوری نظام کو قبول نہیں کرسکتے جس کے نتیجے میں ان کا وجود مٹ جائے، مغربی ملکوں میں جہاں جمہوریت نافذ ہے ایک ہی نسل، زبان یا وطن کی بنا پر ایک قوم وجود میں آتی ہے۔ لیکن برّصغیر میں معاملہ دوسرا ہے۔ یہاں قومیت کی بنیاد مذہب ہے۔ اگر مغربی طرز جمہوریت کو نافذ کیا جائے گا تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ایک مذہب کے پیروکار اکثریت میں ہونے کی بنا پر ہمیشہ مقتدر رہیں گے، اور دوسرے مذہب کے ماننے والے نسبتاً کم تعداد میں ہونے کی بنا پر ہمیشہ اقتدار سے محروم رہیں گے۔ لیکن مسلمان جو دنیا میں کثیر آبادی کے مالک ہیں۔ اور ہندوستان میں بھی ایک مدت تک حکمران رہے ہیں۔ پھر ان کا مذہب بھی ان سے آزادی وخودمختاری کا مطالبہ کرتا ہے وہ ہمیشہ کے لیے اس محرومی پر کس طرح قانع ہوسکتے ہیں۔ اسی لیے قائداعظمؒ نے پارلیمانی جمہوری طرز حکومت کو ہندوستان کے لیے ناموزوں قرار دیتے ہوئے فرمایا۔

"دوسال ہوئے میں نے شملے میں کہا تھا کہ ہندوستان کے لیے پارلیمانی جمہوری نظام حکومت غیر موزوں ہے۔ اس پر کانگریسی اخبارات نے میرے خلاف طعن وتشنیع سے کالیا اور مجھے بتایا کہ "تم اسلام کو نقصان پہنچانے کے مجرم ہو کیونکہ وہ جمہوریت کی تلقین کرتا ہے" مگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہاں تک مجھے اسلام کا علم ہے وہ ایسی جمہوریت کی وکالت نہیں کرتا جو غیر مسلم اکثریت کو مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کرنے کا اختیار دے۔ ہم کوئی ایسا نظام حکومت قبول نہیں کر سکتے، جس کی رُو سے ایک غیر مسلم اکثریت محض تعداد کی بناء پر ہم مسلمانوں پر حکومت کرے اور ہمیں اپنا فرمانبردار بنالے۔"

(مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ۶ مارچ ۱۹۴۰ء)

جب مسلم لیگ نے مسلمانوں کے لیے الگ اور خودمختار مملکت کے قیام کا مطالبہ کیا تو کانگریس نے اس مطالبے کو بے وقعت بنانے کے لیے یہ کہنا شروع کر دیا کہ مسلم لیگ ایک فرقہ وار جماعت ہے۔ ایک مخصوص مذہب کے ماننے والوں کے جذبات کا استحصال کر کے آزادئ وطن کی راہ میں رکاوٹ ڈال رہی ہے۔ جبکہ کانگریس ایک ترقی یافتہ سیاسی جماعت ہے اسے مذہب سے کوئی غرض نہیں، لیکن قائداعظمؒ نے کانگریس کے چہرے پر پڑے ہوئے غیر جانبداری کے نقاب کو الٹ کر رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا:۔

"کانگریس سراسر ہندو جماعت ہے۔ مسلمانوں نے ایک سے زیادہ مرتبہ کانگریس کو جتا دیا ہے کہ ان کی آئندہ تقدیر کا دارومدار حکومت اور ملک کے انتظام، ان کے سیاسی حقوق کے حصول اور قومی زندگی میں واجب حصہ حاصل ہونے پر ہے اور اس کے لیے وہ اس وقت تک برسرِپیکار رہیں گے۔ جب تک ہندو راج کا خواب وخیال کانگریس کے دل و دماغ سے بالکل مفقود نہ ہو جائے گا۔ جب تک مسلمانوں کے قالب میں روح ہے۔ کانگریس کا غلام بننا ہرگز ہرگز گوارا نہ کریں گے۔"

(اجلاس مسلم لیگ، کلکتہ، ۱۷ اپریل ۱۹۳۸ء)

قائداعظمؒ نے واضح کر دیا کہ مسلم لیگ اگر پاکستان کے حصول کے لیے کمربستہ ہے تو یہ ایک طرف تو مسلم قومیت کا تقاضا ہے اور دوسری طرف کانگریس کے اس کردار کا ردِعمل ہے جو اس نے ملکی سیاست میں گذشتہ نصف صدی کے دوران سرانجام دیا ہے۔ جس کا اصل ہدف مسلمان رہے ہیں۔ کانگریس بظاہر مسلمانوں کی حمایت کا دم بھرتی ہے اور اندر ہی اندر ان کو تباہ کرنے میں مصروف ہے۔ لہٰذا مسلمان اس پر مزید اعتماد نہیں کر سکتے۔ اس کے وعدوں پر یقین نہیں کر سکتے۔ مسلمان یہ جان چکے ہیں کہ اگر وہ بحیثیت مسلمان باقی رہنا چاہتے ہیں تو انہیں پاکستان کے قیام کی جدوجہد کرنی چاہیئے۔ اس طرح نہ صرف وُہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خود آزاد ہوں گے، بلکہ عالم اسلام کی ان تحریکوں کی تقویت کا باعث بھی بنیں گے، جو آزادی کی منزل کی طرف گامزن ہیں۔

قائد اعظمؒ نے اس صورت حال کی سنگینی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:

"اگر ہندو شہنشاہیت قائم ہو گئی تو مسلمان ہندوؤں کے غلام ہو جائیں گے اور بالآخر برطانوی ملوکیت کے غلام ہو جائیں گے۔ ہمارے لئے پاکستان زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ اپنے گھروں میں آزاد رہیں تو آپ کو ہمارے ساتھ اشتراک عمل کرنا چاہیئے اس وقت کوئی بھی ایسی مسلم مملکت موجود نہیں جو صحیح معنوں میں آزاد ہو۔ ایران جو کئی صدیوں سے آزاد تھا۔ غلام ہو گیا۔ اس وقت تک مسلمان اور عرب حکومتیں حقیقی معنوں میں آزاد نہ ہوں گی جب تک پاکستان قائم نہ ہو گا۔ اس لیے کہ جو ہندوستان پر اقتدار رکھتا ہے، وہی مشرق وسطیٰ پر بھی اقتدار رکھتا ہے۔ اگر ہندوستان میں ہندو شہنشاہیت قائم ہو گئی تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہندوستان سے اسلام ختم ہو گیا۔ ہندوستان ہی سے نہیں بلکہ دوسرے اسلامی ممالک سے بھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مذہبی اور روحانی رشتے ہمیں اور مصریوں کو ایک رشتے میں باندھے ہوئے ہیں اگر ہم ڈوبے تو سب ڈوب جائیں گے۔"

(قاہرہ میں ایک تقریر۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۴۶ء)

اس طرح قائد اعظمؒ نے دنیا پر ثابت کر دیا کہ پاکستان کا قیام مسلمانوں کے صرف معاشی زوال کو دور کرنے یا ان کے بعض سیاسی حقوق محفوظ کرنے کے لیے عمل میں نہیں آیا بلکہ اس کی پشت پر مسلم قومیت کے جداگانہ تصور کی قوت کارفرما تھی۔ جس کی اساس مسلمانوں کی مخصوص مذہبی اور ثقافتی زندگی میں مضمر تھی۔ یہی وہ احساس تھا جس نے بعد ازاں پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ کے نعرے کی شکل اختیار کی۔ کیونکہ ہمارا یہ یقین تھا کہ اس نعرے کی عملی تشکیل میں ہمارے جملہ معاشی و سیاسی، مذہبی اور ثقافتی مسائل کا حل پنہاں ہے۔ ہمارا یہ یقین تھا کہ اگر ہمیں پاکستان مل جائے تو وہ اسلامی اصولوں کی روشنی میں ایسا سیاسی و معاشی نظام کریں گے جو ہر طرح کے ظلم و استبداد سے پاک ہو گا۔

کیا پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ ایک سیاسی نعرہ تھا؟ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگ مسلم معاشرہ کے لیے اسلامی نظریہ کی اہمیت کا پوری طرح ادراک نہ کر سکے ہوں اور وہ تحریک پاکستان کے دوران

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی یہ سمجھتے ہوں کہ یہ محض نعرہ ہی نعرہ ہے۔ اس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، لیکن یہ خیال یا تو جہالت کا نتیجہ ہے یا جعل سازی کی ایک صورت ہے، کیونکہ اسلامی نظریہ کے تحفظ کے بغیر مسلمانوں کے قومی وجود کے تحفظ کا مطالبہ ایک مہمل اور بے معنی مطالبہ ہے۔ معمولی عقل و فہم کا مالک انسان بھی اس طرزِ عمل کو احمقانہ خیال کرے گا کہ ہم ایک قوم کے معاشی اور سیاسی حقوق کے لیے تو جدوجہد کریں۔ لیکن جن بنیادوں پر اس قوم کی اجتماعی زندگی تعمیر ہوتی ہے ان کو نظر انداز کرنے کی کوشش کریں کتنے تعجب کی بات ہے۔ ایک مدت تک تو ہندوؤں اور انگریزوں سے اس لیے جنگ کرتے رہیں کہ مسلمان ایک جداگانہ قوم ہونے کی بنا پر الگ وطن کے طلبگار ہیں اور جب آزادی حاصل ہو جائے تو یہ کہنا شروع کر دیں کہ ہم میں اور ہندوؤں میں صرف معاشی اختلاف تھا یا کچھ سیاسی حقوق کی تقسیم کا مسئلہ تھا۔ اس قسم کی خام خیالیوں میں عام سیاسی کارکن تو مبتلا ہو سکتے ہیں۔ لیکن قائداعظمؒ سے یہ توقع عبث ہے۔ وہ ہستی جس کی عظمت کردار، راست گوئی اور صداقت شعاری کی شہادت اغیار بھی دیتے ہیں۔ یہ کیسے گوارا کر سکتی ہے کہ جونہی پاکستان قائم ہو، وہ اپنے تمام گذشتہ بیانات سے منحرف ہو جائے اور ایک ایسا نقطۂ نظر اپنا لے جو تحریکِ پاکستان کی حقیقی رُوح سے کوئی لگا نہ کھاتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قائداعظمؒ نے قیامِ پاکستان کے بعد بھی پاکستان کی اس مقصدیت کی صراحت ضروری سمجھی۔ آپ نے بار بار پاکستان کی نظریاتی اساس کے گہرے شعور اور استحکام پر زور دیا کیونکہ اس کے بغیر نہ پاکستان کی ہستی برقرار رہ سکتی تھی نہ اس کو استحکام و ترقی نصیب ہو سکتی تھی۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا:۔

"جس پاکستان کے قیام کے لیے ہم نے گذشتہ دس برس جدوجہد کی ہے۔ آج بفضلِ تعالےٰ ایک مسلمہ حقیقت بن چکا ہے مگر کسی قومی ریاست کو معرضِ وجود میں لانا مقصد بالذات نہیں ہو سکتا، بلکہ کسی مقصد کے حصول کے ذریعے کا درجہ رکھتا ہے۔ ہمارا نصب العین یہ تھا کہ ہم ایک ایسی مملکت کی تخلیق کریں، جہاں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہ سکیں، جو ہماری تہذیب و تمدن کی روشنی میں پھلے پھُولے اور جہاں معاشرتی انصاف کے اسلامی تصوّر کو پوری طرح پنپنے کا موقع ملے۔"

(سرکاری افسران سے خطاب، ۱۱ راکتوبر ۱۹۴۷ء)

قائداعظمؒ نے واضح کیا کہ اسلام محض [illegible] نہیں بلکہ ہماری پوری زندگی کا مرکز و محور ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام محض رسوم و روایات اور روحانی نظریات کا مجموعہ نہیں ہے۔ اسلام ہر مسلمان کے لیے ضابطۂ حیات بھی ہے، جس کے مطابق وہ اپنی روزمرہ زندگی، اپنے افعال و اعمال حتیٰ کہ سیاست اور معاشیات اور دوسرے شعبوں میں بھی عمل پیرا ہوتا ہے۔ اسلام سب انسانوں کے لیے انصاف، رواداری، شرافت، دیانت اور عزت کے اعلیٰ ترین اصولوں پر مبنی ہے صرف ایک خدا کا تصور اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔ اسلام میں انسان انسان میں کوئی فرق نہیں، مساوات، آزادی اور اخوت اسلام کے اساسی اصول ہیں۔"

(کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب، ۲۵ جنوری ۱۹۴۸ء)

قائداعظمؒ یہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کی نجات اسوۂ نبویؐ کی اطاعت میں مضمر ہے۔ آپ نے فرمایا :۔

"میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اس اسوۂ حسنہ پر چلنے میں ہے جو ہمیں قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلام نے ہمارے لیے بنایا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات و اصولوں پر رکھیں۔ اسلام کا سبق یہ ہے کہ مملکت کے امور و مسائل کے بارے میں فیصلے باہمی بحث و تمحیص اور مشوروں سے کیا کرو۔"

(سبی دربار بلوچستان، ۱۴ فروری ۱۹۴۸ء)

ایک دوسرے موقع پر اسلامی حکومت کے اصولوں کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا :۔

"اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز پیش نظر رہنا چاہیئے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمنٹ کی نہ کسی شخص یا ادارے کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی و پابندی کی حدود متعین کر سکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اسلامی حکومت قرآنی اصول و احکام کی حکومت ہے۔"

(کراچی۔ ۱۹۴۸ء)

قائداعظمؒ کی رہنمائی کے اس تسلسل کے باوجود بعض عناصر یہ پروپیگنڈہ کرنے لگے کہ پاکستان کا دستور لادینی ہوگا اور اُسے شریعت اسلامی کے اصولوں سے کوئی سروکار نہ ہوگا تو قائداعظمؒ اس پروپیگنڈے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تردید ضروری سمجھتے ہوئے فرمایا :-

"میں ان لوگوں کی بات نہیں سمجھ سکتا جو دیدہ و دانستہ اور شرارت سے یہ پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں کہ پاکستان کا دستور شریعت کی بنیاد پر نہیں بنایا جائے گا۔ اسلام کے اصول عام زندگی میں آج بھی اسی طرح قابلِ اطلاق ہیں، جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے۔ میں ایسے لوگوں کو جو بدقسمتی سے گمراہ ہو چکے ہیں، یہ صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ یہاں غیر مسلموں کو بھی کوئی خوف ڈر نہیں ہونا چاہیئے۔ اسلام اور اس کے نظریات نے ہمیں جمہوریت کا سبق دے رکھا ہے۔ ہر شخص سے انصاف، رواداری اور مساوی برتاؤ اسلام کا بنیادی اصول ہے۔ پھر کسی کو ایسی جمہوریت، مساوات اور آزادی سے خوف کیوں لاحق ہو جو انصاف رواداری اور مساوی برتاؤ کے بلند ترین معیار پر قائم کی گئی ہو۔ ان کو کہہ لینے دیجئے۔ ہم دستور پاکستان بنائیں گے، اور دنیا کو دکھائیں گے کہ یہ رہا ایک اعلیٰ آئینی نمونہ۔"

(بار ایسوسی ایشن۔ کراچی۔ ۲۵ جنوری ۱۹۴۸ء)

آپ نے صاف صاف لفظوں میں بتا دیا کہ پاکستان کے دستور کی دو اہم ترین بنیادیں ہوں گی۔

(۱)۔ اسلام (۲) جمہوریت :-

"پاکستان کا دستور ابھی بننا ہے اور یہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی بنائے گی مجھے نہیں معلوم کہ اس دستور کی شکل و ہئیت کیا ہوگی۔ لیکن اتنا یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ جمہوری نوعیت کا ہوگا اور اسلام کے بنیادی اصولوں پر مشتمل ان اصولوں کا اطلاق آج کی عملی زندگی پر بھی اسی طرح ہو سکتا ہے جس طرح تیرہ سو سال پہلے ہوا تھا۔ اسلام اور اس کے نظریات سے ہم نے جمہوریت کا سبق سیکھا ہے۔ اسلام نے ہمیں انسانی مساوات، انصاف اور ہر ایک سے رواداری کا درس دیا ہے۔ ہم ان عظیم الشان روایات کے وارث اور امین ہیں اور پاکستان کے آئندہ دستور کے معمار اور بانی کی حیثیت سے ہم اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے بخوبی آگاہ ہیں۔"

(امریکی نامہ نگار کو انٹرویو۔ فروری ۱۹۴۸ء)

اب جبکہ ہمیں آزادی ملے ربع صدی سے اوپر عرصہ گذر چکا ہے۔ ہمیں جائزہ لینا چاہیئے کہ ہم نے ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دونوں بنیادوں کو مضبوط اور مستحکم بنانے کے لئے کیا کیا؟ ہمارا یہ جائزہ ہمیں بتائے گا کہ ہم اپنی منزل سے ابھی کتنے نزدیک یا دُور ہیں اور اس کی روشنی میں ہمیں اپنی اجتماعی زندگی کے لائحہ عمل پر نظرِ ثانی کرنی چاہیئے۔ اور از سرِ نو نظریاتی قوّت کے اس سرچشمے سے رجوع کرنا چاہیئے، جس کی نشان دہی پاسبانِ ملت، رہنمائے قوم اور بانئ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح ؒ نے فرمائی تھی۔

....لائل سے واپسی پر ان کے سیلون میں مَیں بھی تھا۔ اِس لیے چشم دید گواہ ہوں........ سیلون تھرڈ کلاس کا ایک ڈبہ تھا۔ جس میں پردے وغیرہ لگا دیئے گئے تھے........ گاڑی سانگلہ ہل سٹیشن پر رکی۔ تو چائے کا وقت تھا۔ کہنے لگے چائے پینی ہے۔ ہم نے فوراً اسٹیشن پر چائے کی تلاش کی، .... اتنے میں ایک بیرہ سَر پر سرخ پٹی والی پگڑی پہنے چائے لے کر آیا .... قائدِ اعظم ؒ کو چائے پیش کی گئی۔ انہوں نے بیرے کو دیکھا اور پوچھا یہ کونسی چائے ہے۔ اس نے کہا، ہندو چائے " کہنے لگے واپس لے جاؤ۔ ہم سے کہا کہ مسلم چائے منگاؤ.......... جو اسٹیشنوں پر بہت کم ہوتی تھی۔ ہم نے مسلم چائے ڈھونڈی جو مٹی کے آب خورے میں تھی۔ وہ چائے قائدِ اعظم نے پی، لیکن ہندو چائے ان کے مذہب کا حصہ نہ تھی۔ انہوں نے کہا کہ ہندو چاہے جتنا بھی صاف ستھرا ہو وہ ناپاک ہوتا ہے۔ صفائی صرف اسلام میں ہے۔ پاکیزگی کا تصوّر صرف اسلام نے دیا ہے، اور کسی مذہب نے نہیں۔ اس لیے میں صرف مسلم چائے پی سکتا ہوں اور کوئی نہیں........

(ڈاکٹر ضیاء الاسلام)

© rasailojaraid.com